مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

یورپ بیداری سے پہلے

یورپ مسلمانوں کو جاہل و ناخواند قوم ہونے کا طعنہ دیتا ہے، اوراس کی ذمہ داری اسلام پر ڈالتا ہے، حالانکہ یہ وہی یورپ ہے، جس نے مسیحیت کی ماتحتی میں ہزار سالہ مدت ایک ان پڑھ قوم کی حیثیت سے بسر کی ہے، جس میں یورپ کے بڑے بڑے لیڈر ان پڑھ اور جاہل تھے۔ لاویس رامبو (Lavisse Et Rambaud) اپنی کتاب ''تاریخ عام'' (Histoire Generate) میں کہتا ہے:

''انگلینڈ ساتویں صدی عیسوی سے لیکر دسویں صدی عیسوی تک انتہائی غریب اور پسماندہ تھا، خارجی دنیا سے بالکل کٹا ہوا تھا، وحشت وبربریت اور درندگی کا دور دورہ تھا، مکانات کچی مٹی کے بنائے جاتے تھے، مہلک امراض اوروبائیں عام تھیں، انسان جانوروں سے بھی گیا گزرا تھا، سردار قوم بھی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا، پورا یورپ اس وقت گھنے جنگلات پر مشتمل تھا، زراعت وکاشتکاری نہ ہونے کے برابر تھی، خانہ جنگی، قتل وغارتگری اورلوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا، پیرس اورولندرا میں مکانات گھاس پوس کے ہوتے تھے، جن میں نہ کھڑکیاں ہوتیں، اور نہ کمرے، بستر اور چٹائی کا وجود نہ تھا۔ مرد، خواتین اور بچے غرض پوری فیملی ایک چھوٹے اورتنگ وتاریک کمرہ میں رات گزارتی تھی، اوراسی میں پالتو جانوروں کو بھی ٹھہراتے تھے، وہاں نہ سڑکیں تھیں، نہ نالیاں اور نہ ہی چراغ اور نہ روشنی کا کوئی سامان''

مؤرخ ڈریپر (Draper John William) کہتا ہے:

''یورپ میں جہالت کا دوردورہ تھا، اوہام وخرافات کی حکمرانی تھی، علاج ومعالجہ سب مقدس مقامات کی زیارت پر منحصر رہ گیا تھا، فن طب مردہ ہو چکا تھا، جوگیوں اورشعبدہ بازوں کی دکانیں چمک اٹھی تھیں۔''

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ

تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت وبربریت زمانہ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑی تمدن کی لاش کی سی تھی، جو سڑ گئی ہو،اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے،اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا، اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس وہاں تباہی، طوائف الملو کی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔‘‘

میکسم پٹی (Maxime Petit) اپنی کتاب ’’تاریخ عام‘‘ میں لکھتا ہے:

’’پرانی دنیا گیارہویں صدی عیسوی میں دو حصوں میں منقسم تھی، مغرب اور مشرق، مغرب چھوٹے چھوٹے بے حیثیت شہروں پر مشتمل تھا، جہاں کسانوں کی جھونپڑیاں اور بے ہنگم گھر تھے، قلعوں کی تعمیر میں کسی فنی اصول کی رعایت ملحوظ نہ رکھی گئی تھی، وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا، رہزنی وقزاقی کے خوف سے دس قدم بھی چلنا دوبھر تھا، دوسری طرف مشرق میں قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق وبغداد کے سے عظیم الشان آباد وپررونق شہر تھے، جو اپنے حسن ودلکشی اور جاذبیت ودلبرائی میں الف لیلائی دنیا کے شہر معلوم ہوتے، یہاں قیمتی پتھروں اور سنگ مرمر کے مکانات تھے، مساجد ومدارس، اسکول، تربیتی مراکز اور خانقاہوں کی کثرت تھی، بڑے بڑے پررونق بازار تھے، جگہ جگہ وسیع اور سایہ دار باغات کا انتظام تھا، نظام آب پاشی تھا، جس کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات سرسبز وشاداب تھے، تجارت شباب پر تھی، تاجر نہایت اطمینان کے ساتھ اسپین سے ایران تک کا سفر کرتے تھے‘‘۔

سنیوں بوس (Sanyo Boss) کہتا ہے:

’’عالم اسلام اور بیزنطینی دنیا مغربی دنیا سے خوشحالی، حسن نظام اور روشنی علم وہنر میں ممتاز اور فائق تھے، خود نصرانی اپنے اندر تہذیبی وتمدنی نقص اور کمی محسوس کرتے تھے، اور مشرق کی علمی وتمدنی ترقی سے مبہوت تھے، ان میں جس کو پڑھنے کا شوق ہوتا، وہ دنیائے عرب کا رخ کرتا، وحشی اور غیر متمدن نصرانی، متمدن مسلمانوں کا گہوارہ علم وہنر اور جائے امن وامان میں جنگ اور تجارت دو راستوں سے داخل ہوئے‘‘

پانچویں صدی ہجری میں جب صلیبی مشرق میں داخل ہوئے، اور مسلمانوں کے متمدن اور منظّم شہر دیکھے تو ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔

خلیفہ عباسی ہارون رشید کا معاصر یورپی شہنشاہ اعظم شارلیمان جس وقت ناخواندگی اور جہالت کی

تاریکی میں تھا، عرب علماء بغداد اور قرطبہ میں فلسفہ، علوم وفنون اور ادبیات کے میدان میں نئے نئے گوشے واکررہے تھے، نادر تحقیقات پیش کررہے تھے، اور یونانی، کلدانی پہلوی، عبرانی زبانوں سے علوم عربی زبان منتقل کئے جارہے تھے، عباسی خلیفہ منصور کیلئے عجمی زبان سے عربی میں ترجمے کئے گئے، ارسطاطالیس کی منطق، ہندسہ، فلکیات کے موضوع پر کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی، زبانوں سے قدیم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا، یہ کتابیں عام لوگوں کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ ان کو حاصل کرکے ان کے مطالعہ میں غرق ہوجاتے۔

یورپی امراء وسلاطین میں جہالت اور ناخواندگی کے عموم کی وجہ سے ان میں بربریت ودرندگی غالب تھی، وہ قیدیوں کو قتل کردیتے ہیں، عورتوں کی آنکھیں پھوڑدیتے، ان کی ناک، کان کاٹ لیتے، درندگی اور قساوت قلبی کی یہ حالت چودہویں اور پندرہویں عیسویں تک قائم رہتی، وہ معمولی معمولی بات پر سالہاسال لڑتے رہتے، ان کا مقصد زندگی صرف اور صرف لوٹ کھسوٹ تھا، تاجروں کو سرراہ روک لیتے، ان کو قیدی بنالیتے اوران کو سخت اذیت پہنچاتے۔

ڈوزی (Dozy) لکھتاہے:

> یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگراں تھے، انہیں کہیں روشنی نظرنہیں آتی، روشنی توصرف مسلمان کی طرف سے آرہی تھی، علوم وفنون، ادبیات، فلسفہ، وصنعت اورزندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کررہی تھی، بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ، اورقرطبہ، علم ومعرفت، کے عظیم مراکز تھے، مملکت اسلامیہ میں چھوٹے مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں سے معمور تھیں جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت تھی، جبکہ یورپ کے مرکزی شہر دیہاتوں کی طرح تھے، جہاں نہ تو علم تھا، اورنہ آبادی، یورپ مادی، ادبی، تہذیبی، اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پسماندہ تھا۔

ایک انگریز مؤرخ کہتاہے:

> ''اسلامی اندلس میں اس وقت گھر گھر علم کا چرچا تھا، جب کہ مسیحی دنیا میں بجز چندافراد کے کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا''۔

رابرٹسن (Robertson) لکھتاہے:

> ''پندرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں اندلس کے بہت سے شہر یورپ کے باقی شہروں سے زیادہ آباد اور مالامال تھے، عربوں نے اپنے دورحکومت میں اپنے زیراثر شہروں میں

کارخانے اور انڈسٹریاں قائم کیں۔''

مسلمانوں کے ملک علمی وتعلیمی اداروں سے آباد تھے، جہاں اہل علم کا انتخاب مذہب کے بجائے ان کی علمی صلاحیت اور ان کے اختصاص کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

گبین (Gibben) لکھتا ہے:

''صوبوں کے مسلمان گورنر اور وزراء علم اور اہل علم کی خدمت، اکرام، اسکولوں، تعلیمی اداروں کی دیکھ بال، اور نادار طلبہ کی کفالت میں امراء اور بادشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے، اس تنافس سے تحصیل علم کا ذوق وشوق عام ہوگیا، اور اس طرح سمرقند وبخاری سے لے کر فارس اور قرطبہ تک لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا عام چلن ہوگیا اور تعلیم تعلم محبوب مشغلہ بن گیا، نظام الملک طوسی نے ایک سال میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تعمیر وترقی میں دوسو ہزار دینار خرچ کیے، اس میں پڑھنے والوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔''

گستاؤلی لیبان (Gustave lebon) لکھتا ہے:

یورپ میں جہالت وناخواندگی کی تاریکی طویل عرصہ سے چھائی چلی آرہی تھی، گیارہویں بلکہ بارہویں صدی عیسوی میں علم کی طرف کچھ میلان شروع ہوا، جب بعض روشن دماغ یورپین میں یہ احساس پیدا ہوا، کہ جہالت کے کفن کو اتار پھینکا جائے، تو عربوں کا رخ کیا، اور ان سے کسب فیض حاصل کیا، اس لئے کہ عرب ہی اس زمانہ میں علم وفن کے رہبر وسرچشمہ تھے۔

۱۱۳۰ء میں پادریوں کے سربراہ ریمونڈلل کی نگرانی میں دارالترجمہ قائم ہوا، جس نے مشہور عرب مصنفین کی تصنیفات لاطینی زبان میں منتقل کی، اس کے بعد عربی سے لاطینی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں ترجمے شروع ہوئے، اس طرح یورپ ایک نئی دنیا سے روشناس ہوا، لاطینی زبان میں صرف رازی، ابوالقاسم اور ابن رشد ہی کی تصنیفات ترجمہ نہیں ہوئیں، بلکہ یونانی حکماء اور فلاسفہ مثال کے طور پر جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو، اور بطلیموس کی وہ کتابیں بھی لاطینی زبان میں منتقل ہوئیں، جن کو مسلمانوں نے اپنی عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔

ایک انگریز مؤرخ کے مطابق مغرب نے صرف طب میں ۳۰۰ کتابیں عربی سے لاطینی زبان میں منتقل کیں۔

تیرہویں صدی میں اٹلی میں ان تعلیم یافتہ افراد کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، جنہوں نے اندلس میں عربی اور اسلامی تہذیب وتمدن سے واقفیت حاصل کی تھی، چنانچہ اس طرح عربی زبان کی مدد سے یورپ

ارسطواوراس کی تصنیفات سے واقف ہوا، اور یہ واقفیت عربی زبان میں کئے گئے ترجموں کی مدد سے ہوئی یہ عرب ترجمے اورعربی کتابیں، طویل عرصہ تک یورپ کے ان کالجوں اور دانش گاہوں میں شامل نصاب رہیں جوعربی مدارس کے طرز پر قائم کئے گئے تھے۔

جرمن مستشرقہ ڈاکٹر زیگرڈ ہونکہ شمس الاسلام تطلع علی الغرب (مغرب پر اسلام سورج طلوع ہو رہا ہے) میں رقمطراز ہیں:

''چھ صدیاں پہلے پورے یورپ میں صرف پیرس کے میڈیکل کالج میں ایک چھوٹی لائبریری تھی جس میں صرف ایک کتاب تھی اور وہ بھی ایک عرب مصنف کی یہ بڑی قیمتی اور پراز معلوم تھی ، اس وقت کے سارے نصرانیوں کے بادشاہ لوئس یازدہم نے ایک مرتبہ اس کتاب کو عاریۃً لینا چاہا تو اسے بھی بطور ضمانت ایک خطیر رقم جمع کرنا پڑی ،لوئس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے پرائیوٹ معالجین اس کتاب کی ایک نقل تیار کرلیں تاکہ جب بھی بادشاہ سلامت کو عارضہ اورکوئی بیماری لاحق ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاسکے یہ کتاب کیا ہے، ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ،اس میں ۹۲۱ءتک تک کے تمام قدیم یونانی طبی علوم جمع کردئے گئے ہیں۔''

مزید لکھتی ہیں:

''رازی نے میڈیکل سائنس اور طبابت کے موضوع پر جوضخیم اورعظیم کتاب تصنیف کی ہے، وہ یورپ میں ۱۴۹۸ء۔۱۴۶۶ء چالیس مرتبہ طبع ہوئی اس میں نقرس ، پتھری مثانہ، گردے اوربچوں کے امراض کے متعلق بحث کی گئی ہے ،اور یہ اپنے موضوع پر حجت اورمرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔''

آگے لکھتی ہے:

''اگر ہم یہ کہیں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کہ یورپ نے تقریباً تین سوسال تک صرف اورصرف عربوں کی ہی تصنیفات اورتحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے۔''

میسولیٹری لکھتے ہیں:

''اگر تاریخ میں عرب منصۂ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم وفنون اورتہذیب وتمدن میں یورپ کی بیداری کئی صدی اورمؤخر ہوجاتی۔''

خود اہل مغرب نے اس کا اعتراف کیا ہے اور بیداری سے پہلے اپنی علمی محرومی اور تعلیمی پسماندگی کا تذکرہ کیا ہے اس وجہ سے اس زمانہ (۵۰۰ء۔۱۱۰۰ء) تاریک دور (Dark Age) شمار کیا ہے۔ (جاری ہے)